

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

لُظُّہر

جمع الجوہت الاسلامیہ قاہرہ کی مؤتمراتی منعقدہ المحرم ۱۳۸۵ھ۔ مئی ۱۹۶۵ء کی ایک شبکہ پورٹ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ یہ ”جمع“ جامعہ ازہر کے تحت قائم کیا گیا ہے اور اس میں دنیا کے مختلف حصوں سے مسلمان علماء اور فکریں مدعو کئے جاتے ہیں۔ ”جمع“ کی مؤتمر اول ۱۹۶۴ء میں منعقد ہوئی تھی۔ مؤتمراتی میں جیسا کہ اس پورٹ میں درج ہے، تاسیس مالک کے کوئی ساتھ کے قریب ارکان و فدائی شرکت کی، جن میں پاکستان سے بھی چار علماء شامل تھے۔ جمع الجوہت الاسلامیہ کی مؤتمراتی میں جو بحثیں ہوئیں، اور نظر پورٹ میں انہیں جمع کیا گیا ہے تاکہ وہ اسلامی مسائل سے دلچسپ رکھنے والوں کے سامنے آجائیں۔

”جمع“ کے این عالم (سیکڑی جزو) نے پیش لفظ میں اس امر کی صراحت کی ہے کہ زیر بحث مسائل میں غور و فکر کے بعد مؤتمر جن نتائج پر پہنچی ہے، ان کی نوعیت اجماع کی ہنسی کہ اس کے بعد بحث کرنے والوں کے سامنے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ یہ دراصل ایک کوشش ہے دین اور زندگی میں ہم آہنگ پیدا کرنے کی بدوں دین میں کوئی کمی اور زندگی پر کسی زیادتی کرنے کے۔ پس بحث کا دائرہ وسیع ہے، ہر اس شخص کے لئے جس کو اللہ نے شرح صدر عطا کیا اور دین کی سیکھ اور تلقین دیا ہے۔

فضیلۃ الدکتور محمود حب اللہ نے جو ”جمع“ کے این عالم ہیں، اپنے پیش لفظ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اچ ہو شکلا ہمیں درستی ہیں، اور جن پر مؤتمر میں بحثیں ہوئیں۔ ان میں سے مثال کے طور پر ایک توالشuron اور یہ (الذین) ہے اور دوسرا مشکل معاملات ذر کی ہے۔ پہلی ہر مسلمان کو خواہ وہ کہیں کہی ہو، اور خواہ وہ جہاں بھی جائے۔ پیش آتی ہے، اس مشکل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کسی لین دین کے بازے میں اس کی حلت یا حالت کی مسقون شری

حکم بیان کر دینا کافی نہیں۔ بلکہ آج ایک سماں کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ شرعی حکم کے ساتھ ایک متبادل نظام کا افناز ہو، جس کا اسلام سے ثابت ہوتا ہو اور اس سے موقع قانون کا ذرہ بھی حاصل ہو۔ چنانچہ یہ بات اس کی متفاضی ہے کہ تیبہ اور غفرنی کے پہلو بہ پہلو مالیات و اقتصادیات کے باہر وغیرہ بھی ہوں، جو ان امور کا تحریر ہے اور سمجھ رکھنے ہوں۔ اس طرح جی وہ مقصد پورا ہو سکے گا، جس کے لئے یہ اسلامی ادارہ بنایا گیا ہے۔

اور یہ اس لئے کہ امین عام موصوف کے الفاظ میں آج علمائے مسلمین کو جن مشکلات اور پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس سے پہلے اس شکل میں علمائے مسلمین کو جو امت اسلامیہ کے لئے اس عظیم علمی ورثتے کو چھوڑ گئے ہیں، ان سے دو حصے ہوتا ہیں پڑا تھا۔

جناب حسین شافعی نائب رئیس الجمہوریہ نے صدر جمہوریہ جمال عبدالناصر کی طرف سے موئمر میں شرکیہ ہوتے والوں کا خیر مقدم کیا اور سنجمل اور بالتوں کے انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کے سلسلہ میں یہ الفاظ کہے:-
کما أخذت البلاد بأسباب تحنيط الأسرة بغرض مواجهة مشكلة تزايد السكان ودراً
لخط الانتهاء للسكان ومحاربة الفقر في منبعه ومهدده”۔

(اسی طرح اس سرزین نے خاندانی منصوبہ بندی کے اسباب و وسائل اختیار کئے ہیں تاکہ کثرت آبادی کی مشکل سے عہدہ برآ ہو جاسکے۔ زیادہ آبادی کے پھٹ پٹنے کے خطرات کو روکا جاسکے اور فقر و غربت کا اس کے اصل منبع اور مرکز استاد ای میں مقابله کیا جائے)

جناب حسین شافعی نے اپنی حکومت کی بعض اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے بچوں (الطفولة) اور ماؤں (الامومة) کی فلاج و بیویوں کے سلسلے میں جو کچھ کیا گیا ہے، اس کے ضمن میں یہ کہا ہے:-

”وَقَامَتِ الدُّولَةُ بِاحْتِرَامِ حُقُوقِ الْمَرْأَةِ فِي الْمُجَمَعِ وَمُسَاوَاتِهَا بِالرِّجْلِ فِي حِدَودِ الشَّرِيعَةِ الْعَرَبِيَّةِ وَاسْقَاطِ تَقْيَايَا الْإِعْلَالِ الَّتِي تَعْوَقُ حِرْكَتَهَا الْحَرَقَةَ حَتَّى تُسْتَطِعَ أَنْ تَشَارِكَ بِعِنْقِ وَإِيمَاحِيَّةِ فِي صُنْعِ الْحَيَاةِ وَأَنْ تَكُونَ فِي بَيْتِهَا وَفِي مُجَمَعِهَا قَادِرَةً عَلَى أَنْ تَسْهُمَ فِي بَنَاءِ الْمُجَمَعِ عَلَى اسْسَاسِ مِنْ الْفَوْةِ وَالْفَضْلَةِ“۔

(حکومت معاشرے میں عورت کے حقوق کے احترام اور مرد سے اس کے مساوات کو برداشت کا راستہ اور یہ سب شریعت غراء کی حدود کے اندر رہتے ہوئے۔ وہ باقی ماذہ زنجیر جو اس کی آزادانہ نعل و حرکت میسوس ہے فہارس مجلات علمیہ | دینی رشیت | ایضاً جواہر افاض ارشادیہ

کو روکتی تھیں توڑ دی گئی تاکہ وہ پوئے انہماں اور ایجادی طور پر زندگی کی تشکیل و تغیریں مترقب ہو سکے اور وہ اپنے گھر میں اور اپنے معاشرے میں قوت اور فضیلت کی اساس پر معاشرے کی تحریر پر قادر ہو۔

پھر اس کے بعد موصوف نے اپنی اشتراکیت کی تعریف کی اور کہا ”فان اشتراکیتنا افعال لا احوال“ اور یہ کہ اشتراکیت ماری ٹھوس وجود اور عدید قدریں رکھتی ہے، اور یہ ہیں : - عدل اجتماعی، کمالات اور زیادہ پسید اوار، معنوی اور روحانی قوتوں میں اضافہ، امن کی دعوت، واضح اور معین مقاصد اور ملک کے ہر باشندے کے لئے صحت، علم اور روزگار کا حق۔

”مجمع البحوث الاسلامیہ“ کی دوسری اور اس سے قبل پہلی موتکریب پاکستان سے جو علمائے کرام نظریہ کے تھے، ان میں کئی ایک ایسے بزرگ ہیں، جنہوں نے اپنا وظیفہ حیات ہی یہ بنالیا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور عالی قانون کے سلسلے میں حکومت پاکستان کی طرف سے جو توانین نافذ ہوئے ہیں، ان کی مخالفت کریں، ان حضرات کے رسائل، خطیروں اور درس صرف اہنی امور کے لئے وقت ہیں۔ یہ ان توانین پر صحیح و شامیرستے ہیں۔ انہیں قرآن و سنت کے خلاف بتاتے ہیں۔ ان کی مخالفت میں جو جویں میں آتا ہے، کہنے سے دریغ ہنہیں کرتے اس کے ساتھ ساتھ ان توانین کو نافذ کرنے والی حکومت ان حضرات کی مخالفت انجیزی کا نشانہ بناتی ہے۔ اس میں ہمارے بزرگ اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ اور یہ سب کچھ اسلام کے نام سے ہوتا ہے اور بزعم خویش اعلان کلمت اللہ کی خاطر ہوتا ہے۔

لیکن یہی بزرگ جو صدر الیوب کی حکومت کو مطعون کرتے اور اس کے خلاف اسلام کے نام سے عوام کو اشتغال دلاتے ہیں تھکتے، صرف اس بناء پر کہ اس نے خاندانی منصوبہ بندی اور عالی توانین کو نافذ کیا ہے، صدر ناصر کی حکومت کی دعوت پر قابوہ تشریف لے جاتے ہیں، وہاں اسی موتکریمی مشرکی ہوتے ہیں، جہاں اس حکومت کا نائب صدر خاندانی منصوبہ بندی کے نفاذ کو اپنی حکومت کا ایک قابل تعریف کار نامہ بتاتا اور عورتوں کی آزادی کو نئے معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ترقار دیتا ہے۔ اور یہ صرف زبان سے ہیں، بلکہ صدر ناصر کی حکومت ”تجدید پسندی“ اور ”تجدد پرستی“ میں اتنی آگے ہے اور مصری معاشرہ ہمارے ان بزرگوں کے ”شرعی پر دے“ کو اتنا یقینی چھوڑ لکیا ہے کہ پاکستان والوں کو اس تک پہنچنے میں معلوم ہیں کتنے سال لگیں۔ یعنی مصر میں اگر صدر ناصر کی حکومت خاندانی منصوبہ بندی اور عالی توانین نافذ کرتی ہے، تو وہ قابل گرفت نہیں، بلکہ وہ مددوہ ہی رہتی ہے۔ اور یہی اقدامات اگر صدر الیوب کی حکومت کرے تو ان حضرات کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کے خلاف موسوعہ فہارس مجلات علمیہ (یقینی رشتہ ایں جو لذکار جائیں اشتراکی)

محالفت و منافرت کا طوفان کھڑا اکر دیں۔ اور انہیں بیان فراخواستہ اسلام کا سفیدہ ڈوبتا نظر آئے۔ آخراں کیوں ہے؟

حضرات علماء میں سے بعض بزرگ وہ ہیں جن کی تحریک، یہ بڑا حصہ گوئی ہے یہ ثابت کرنے میں گمراہ ہے کہ اسلام کے نزدیک ڈینوں کی ناجائزیت ہے۔ بلکہ اسی حیثیت تشریک کی ہے۔ بین ب و ہ جمہوریت اور وہ بھی پارلیمانی جمہوریت کے قیام کو تب اپنی اسلامی دعوت کا متصور تصریح دیتے ہیں۔ موصوف آج کل اپنے اس بنیادی تضاد کو یہ کہہ کر دوڑ کرنے میں کوشش ہیں گے جمہوریت کا ایک غنوم تروہ ہے جو اسلام میں ہے اور ایک وہ ہے جو مغرب میں ہے ...۔ یعنی جمہوریت کے اسلامی تصور میں عالمیت اللہ کی ہوتی ہے اور حکومت عوام کی مرٹی سے بنتی ہے تاکہ وہ احکام الہی کے مطابق ملک کا نظام چلائے یعنی اسلامی جمہوریت میں حکومت جس طرح عوام کی مرٹی کے خلاف ان پر نہیں ٹھوٹی جاسکتی، اسی طرح وہ خدا کی مرٹی کے خلاف نظام نہیں چلا سکتی ...۔

موصوف فرماتے ہیں ”یہاں خدا کے قانون میں جو حرام ہے، وہ حرام ہی رہے گا اور جو حلال ہے، وہ حلال رہے گا۔ حلال کو حرام کرنے کا حق کسی کو نہیں اور اللہ نے جسے حرام مٹھرا بایا ہے، اسے حلال کرنے کا کوئی مجاز نہیں“۔ موصوف نے جمہوریت کی یہ تشریح اسی راولپنڈی شہر میں ۳ اپریل کو کی ہے۔

نظر تباہ ”اللہ کی حاکیت“ اپنی جگہ مسلم، لیکن علی زندگی میں اس کی تطبیق کیسے ہوگی؟ پھر ”احکام الہی کا تعین“ کون کرے گا، نیز خدا کے قانون میں کون سی چیز حرام ہے اور کون سی حلال، اس کے بارے میں قطعی فیصلہ کرنے کا کون مجاز ہے۔ یہاں تم ان چیزوں کا ذکر نہیں کرتے جن کی حرمت اور حلت بالکل ظاہر ہے۔ بلکہ بہت سی چیزوں کی مخالفت فیہ ہیں۔ مثال کے طور پر انہیں بزرگ سے ۳ اپریل کی مجلس میں سوال کیا گیا کہ ”اسلام میں الفزادی ملکیت کی حد کیا ہے؟“ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا: ”اسلام نے الفزادی ملکیت پر کوئی حد صادر نہیں کی بلکہ اس کے حصول کے طریقوں پر پابندی لگائی ہے۔ اگر آدمی شریعت کے بناءے ہوئے راستے پر چلے تو جتنا چاہے، کما سکتا ہے۔ اس بروکی قدر عن نہیں ...“

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا الفزادی ملکیت کو محدود کرنا اللہ کے قانون میں حرام ہے اور اس کا لامحدود رہنا ہی اللہ کے قانون میں حلال ہے۔ اور اگر ایک جمہوریت الفزادی ملکیتوں کو محدود کر قریب ہے تو کیا وہ اپنے اس فعل سے بغیر اسلامی ہو جائے گی؟

عرض اس طرح کے سینکڑوں مسائل میں، جن کے لارےے بیان اختلافات ہو سکتے ہیں۔ اب اس کا فیصلہ کون

کرے کہ فلاں اندازم اللہ کے قانون میں حرام ہے اور فلاں حلال اُسیحیوں کے کیستھوں کے فرقے میں نواس کا نبیلہ پوپ اور اس کے بیشپ کرتے ہیں، لیا ہمارے یہ بزرگ اپنی "اسلامی جمہوریت" میں اس نئی کاکنی کلیساںی نظام چاہتے ہیں؟

یہ بحث تو بیچ میں بولیں بی آگئی ہم دراصل ان بزرگ اور ان کی جماعت سے صرف یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ آپ حضرات پاکستان کی موجودہ حکومت سے اس لئے ناراض ہیں کہ وہ جمہوریت کے اصولوں پر عامل ہیں۔ آپ کا مطالبہ ہے کہ یہاں اس طرز کی جمہوریت ناقد ہو، جو آپ کے نزدیک صحیح جمہوریت ہے۔ یقین آپ کے "یہ عوام کا حق ہے۔ کوہہ پنے ملک کے معاملات میں بولیں۔ اپنی رائے کا انہما کریں۔ اور اپنے دوڑ سے حکومت کو منصب کریں"۔ آپ حضرات کو موجودہ حکومت سے یہ شکایت ہے اسی لئے آپ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اس سے کسی نہیں کا سروکار رکھنا لگا ہے سمجھتے ہیں۔

لیکن اس ملک سے کچھ دُور سعودی عرب کی جو حکومت ہے، کیا وہ جمہوری ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اس حکومت سے ہمارے ملک کے بہت اچھے تعلقات ہیں اور ہم بھی اس حکومت اور اس کے بیدار مفڑ اور روشن خیال فرمانزو اکو پاکستان کا سچا ہمدرد اور محی صادق مانتے ہیں۔ اس سے قطع نظر یہ سوال اپنی علگہ قائم ہے۔ کہ جس طرح کی جمہوریت کو آپ لوگ اسلامی جمہوریت مانتے ہیں، کیا آپ کو اس طرح کے آثار و قرائن و مان ملتے ہیں۔ پاکستان کے نظام حکومت کو آپ کتنا بھی غیر جمہوری بتائیں، پھر بھی یہاں عدالتون کی بالاتری موجود ہے۔ پارلیمنٹ اور اسمبلیوں کے سامنے بجٹ پیش ہوتے ہیں، ایک آزاد اور بالاتر ادیم بجزل کا محکمہ ہے اعلیٰ ملازوں کے لئے پہلک سروس کیش ہے، جس کی مرضی کے بغیر کسی اعلیٰ عہدے پر کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔ انتخابات بھی ہوتے ہیں۔ انتخابات کے خلاف قانونی چارہ جوئی بھی کی جا سکتی ہے۔ پریس آپ کے خیال کے مطابق آزاد نہیں، لیکن اتنا پانیدھی نہیں کہ آپ لوگوں کی تحریریں نہ تپسیں۔ سیاسی پارٹیاں بھی ہیں۔ ان کے اجتماع ہوتے ہیں اور وہ حکومت کے خلاف قراردادی پس کرتی ہیں۔ اب جہاں تک ہماری معلومات بتائی ہیں، سعودی عرب میں جمہوری نظام کے ان بیانی دوام میں سے کوئی بجزل بھی نہیں۔ اور ظاہر ہے اس کے معقول اسباب ہیں، لیکن واقعہ تو یہی ہے کہ جس جمہوریت کے حام اور ناممکن ہونے کی وجہ سے آپ صدر الیوب کی حکومت کے خلاف جہار میں معروف ہیں اس کا ایک ادنیٰ شاستر تک بھی سمجھیں۔ اس کی حکومتیں نظر نہیں آتیں لیکن اس کے باوجود آپ اس حکومت سے تعاون کرتے ہیں۔ اس کی دعوت پر آئے دن سعودی عرب جاتے ہیں۔ اس کی تعریف میں آپ اور آپ کے ساتھی موسوعہ فہارس مجلات علمیہ | دینی رشتہ ایں جبراہ کا جامع ارشاد

برا بر رطب اللسان رہتے ہیں۔ غرض نہ صرف اس ملک میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی آپ اس حکومت کے حق میں پروپیگنڈا کرتے ہیں تھکتے۔

اب اگر آپ لوگ صدر الیوب کی حکومت سے واقعی اس کی عدم جمہوریت سے ناراض بھے، تو منطقی اتفاقاً تو یہ تھا کہ آپ سعودی عرب کی حکومت کو اپنا آئندیل سنباتے اور نہ اس کی حیات میں اس قدر مرگم کار موتے۔ وہ حکومت ہزار اچھی ہو، لیکن وہ جمہوری ہرگز نہیں۔

در اصل صدر الیوب کی حکومت کی مخالفت کی وجہ نہ اسلام ہے اور نہ جمہوریت۔ آپ کے اسلام میں اتنی لوح ہے کہ وہ ہر ضرورت کے وقت بدلتا ہے۔ باقی روپی جمہوریت اجو شخص حاکیت عوام کا اصلاح مخالف ہو، اسے لپٹنے آپ کو جمہوریت پسند کہنا کسی طرح بھی نبیب نہیں دیتا۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ حضرات صہابة حنفی کا قبلہ مقصود تاہرہ ہے، خلدانی مخصوصہ بنہی اور عائی قوانین کے اتنے ہی شدید مخالفت ہیں، جتنے یہ حضرات جو سعودی عرب کو اپنی سب کچھ مانتے ہیں اور ان دونوں گروہوں کا یہ حال ہے کہ ایک دوسرے کے سخت دشمن ہیں۔ حالانکہ دونوں اسلام کے علمبردار ہستے ہیں۔ دونوں اسلامی نظام کے قیام کے مدعا ہیں۔ اور دونوں کا دعویٰ ہے کہ عوام ان کے ساتھ ہیں۔

یہ قصہ جیسا کہ اور پر عرض ہوا ہے، نہ اسلام کا ہے نہ جمہوریت کا۔ یہ دونوں گروہ عوام مسلمانوں کے ایک بڑے حصے کی سادہ ولادہ قدامت پسندی اور روایتی مذہب سے جذباتی و استیگی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اندھب کے نام سے سیاست کاری میں آسانی یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ "حاضرین" کم سے کم محنت سے میسر آ جاتے ہیں۔ اور چونکہ یہ حضرات خدا اور رسول کے ترجمان بن کر عوام کے سامنے آتے ہیں، اس لئے انہیں وہ کچھ کہنے کا حق مل جاتا ہے جو عام سیاست دان نہیں کہہ سکتے۔

اگرچہ یہ بات بڑی تیخ ہے، لیکن اسے کہنے بغیر چارہ نہیں کر جب تک قومی زندگی سے اس قسم کی مذہبی سیاست ختم نہیں کی جاتی۔ اس ملک میں صحت منزہ سیاست کا نشووناپا ناممکن ہے اس مذہبی سیاست کی کم و بیش درجی حیثیت ہے جو ادب میں ایک خاص قسم کی صفت کی جوتی ہے کہ گواں پر لوگ کچے پڑتے ہیں اور اس کی کتابیں دھڑا دھڑکتی ہیں لیکن اس کے باوجود حکومتوں کو ان پر قدغن نہ کی جی پڑتی ہے

یہاں ایک غلط نہیں کا ازالہ بہت ضروری ہے۔ اس مذہبی سیاست کے کراہ حظر تا محوڑے سے ہی لوگ ہیں
موسوعہ فہارس مجلات علمیہ | دیتی رشتائیں و جرائد کا جامع ارشادیہ

جنہیں بعض سازگار حالات نے ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دی ہے۔ علمائے کرام کی ایک کثیر تعداد ایسی موجود ہے، جو اس قسم کی سیاست سے الگ تھلگ رہ کر دین کی خدمت کرتے ہیں اور جب ضرورت پہنچتے ہیں، حاکموں کو بھی ٹوکتے ہیں اور ان پر تنقید بھی کرتے ہیں، لیکن سیاست کاری سے وہ دور ہیں۔

۱۰ مئی ۱۹۴۵ء پشاور میں علمائے کرام کا ایک اجتماع (سیمینار) ہوا۔ جس میں بعض ممتاز علماء کے علاوہ خاص طور سے تحصیل پشاور کے دیہات کے ائمہ اور خطباء مشریک ہوئے، اس اجتماع کی دعوت خود علماء کی طرف سے دی گئی تھی۔ البتہ اس کا انتظام پشاور یونیورسٹی ٹاؤن میں واقع پاکستان اکیڈمی برائے ترقی دیہات کی شاندار عمارت میں کیا گیا۔ محکمہ اوقاف مغربی پاکستان کی امانت اور رائیہ بھی مذکور کی گئی۔ ہوششوں سے علماء کا اپنی نوعیت کا یہ پہلا اجتماع تھا، جو پشاور میں منعقد ہوا، اور واقعہ یہ ہے کہ ہر لحاظ سے بڑا کامیاب رہا۔

اس اجتماع میں مقالات پڑھے گئے، جن میں یہ بتایا گیا کہ ائمہ اور خطباء دیہات میں اپنی مفہومیت دینی خدمات کے ساتھ ساتھ خود اپنی اور عوام کی معاشی حالت کو بہتر بنانے اور یہاں کو مطہوس تغیری را ہوں پر آگے بڑھانے میں کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ علماء حضرات پشاور یونیورسٹی کے تعلیمی و سائنسی شعبوں اور بعض صنعتی اداروں میں بھی کئے جائیں۔ اور انہوں نے پاکستان کا نیادار السلطنت اسلام آباد بھی دیکھا۔

پاکستان کی صحیح اسلامی اصولوں اور جدید ترقی یافتہ طریقوں پر تغیر صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ ساتھ علماء، ائمہ اور خطباء بھی اس میں برابر حصہ لیں، امیر ہے پشاور کا یہ اجتماع علماء اس راہ کی نشان دہی میں پڑا انصیحت ثابت ہو گا۔

آج کئی ایک اسلامی سکون میں قومی تغیر و ترقی کے کاموں میں حضرات علماء، ائمہ و خطباء مساجد کو عملاء حصہ لینے کے قابل بناتے کئے مناسب اقدامات کئے جا رہے ہیں اور اس سلسلے میں وہاں دینی درس گاہوں کے نصاب تعلیم میں کافی تبدیلیاں کی گئی ہیں، تاکہ ان سے فارغ التحصیل ہونے والوں کے لئے دینی خدمت کے ساتھ توں نزدیگی میں مشریک ہونے کے بھی وسیع موقع ہوں۔ پاکستان کو جلد یا بدیر یہ کہنا ہو گا اور اگر وہ اسے جلد کر سے تو اس کی توں ترقی کی منزل اور قریب آسکے گی۔

